مشاہیر اردو ادب اور ریاست بہاول پور

ڈاکٹر عِصمت درانی
ایسوسی ایٹ پروفیسر فارسی، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور
ڈاکٹر انجم طاہرہ
ایسوسی ایٹ پروفیسر فارسی، لاہور کالج یونیورسٹی، لاہور

RENOWNED URDU WRITERS
AND STATE OF BAHAWALPUR

Ismat Durani, PhD
Associate Professor of Persian,
Islamia University, Bahawalpur

Anjum Tahira, PhD
Associate Professor of Persian,
Lahore College for Women University, Lahore

Abstract

The state of Bahawalpur was a very rich Muslim state. Its rulers were generous and fond of not only knowledge but also learned personalities. They encouraged literary activities on large scale by rewarding and valuing poets and authors. It is why a large number of writers travelled to and settled in Bahawalpur. The article is an effort to bring forth the patronage of the royal family of Bahawalpur and their endeavors to promote learning especially of Urdu language and literature. The article is divided into three parts and sheds light on Urdu literary activities carried out by locals, settlers and immigrants.

Keywords:

عباسی خاندان، ہندوستان، بہاول پور، نواب صادق محمد خان، شبلی نعمانی، اردو

ریاست بہاول پور(۱۹۵۵ء۔۱۷۲۷ء) پر عباسی خاندان کی فرمانروائی تھی جو علم دوستی اور ادب پروری میں مشہور زمانہ تھے۔ جتنا عرصہ یہ ریاست قائم رہی یہاں علما وادبا کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ ہندوستان کے نامی گرامی شعرا کا بہاول پور کے دربار سے تعلق رہا، جو والی ریاست کی سال گرہ کے موقع پر قصائد لکھ کر پیش کرتے، اور انعامات وصول کرتے۔ اس دربار کے آخری شاعر حفیظ جالندھری تھے جو ریاست کے آخری دور تک یہاں آتے رہے۔ مصنفین کو بھی ان کی تصانیف کے سلسلے میں گراں قدر انعامات سے نوازا جاتا تھا۔(۱) ریاست کے تمام نوابوں کو، اور بالخصوص نواب صادق محمد خان رابع (۱۸۶۶ء۔۱۸۹۹ء) کو مشائخ، ادبا اور شعرا سے خاص لگاؤ تھا۔ اس عہد میں کاری گر اور اہل علم دور دراز کے علاقوں سے آئے۔ ۱۸۶۶ء میں یہاں صادق الاخبار کا اجرا ہوا تو اردو کو فروغ ملا اور بہاول پور کی سرزمین نے کئی معتبر نام پیدا کیے۔ یہاں کے تمام حکمران ادب پرور اور فیاض تھے، لہٰذا یہاں معاشی خوشحالی کے علاوہ شعر و ادب کی ترقی کے مواقع بھی میسر تھے۔ جنوبی ایشیا میں مغلیہ بادشاہت کے انحطاط کی وجہ سے بھی کئی پڑھے لکھے تخلیق کاروں نے بہاول پور کا رخ کیا۔ متعدد شعرا بر سبیل معاش یہاں آئے اور کار منصبی انجام دینے کے ساتھ ساتھ شعر و سخن اور ادب کی ترویج میں حصہ لیا۔ انھی کی بدولت بہاول پور میں ادبی محفلوں کا رواج پڑا، اور ان کی تخلیقی روش سے یہاں کے ادبی خدوخال نکھرے۔ علم وادب پروری کا یہ سلسلہ ریاست کے آخری نواب صادق محمد خان خامس کے دور (۱۹۲۴ء۔۱۹۶۶ء) تک جاری رہا۔

اس مضمون میں اردو زبان وادب کے ان مشاہیر کا مختصراً تذکرہ شامل ہے، جو ریاست بہاول پور سے مختلف اوقات اور مختلف صورتوں میں وابستہ رہے۔ ان مشاہیر کے فکر وفن کا تعارف، یا بحث شامل مضمون نہیں، صرف بہاول پور سے ان کے تعلق کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ مضمون کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ان مشاہیر کا ذکر ہے، جن کا ریاست سے مختصر نوعیت کا علمی یا ادبی اغراض سے تعلق رہا، یا انھوں نے امیران ریاست کی مدح میں قصائد وقطعات کہے، لیکن یہاں قیام نہیں کیا؛ دوسرے حصے میں وہ مشاہیر شامل ہیں، جن کا تعلق بہاول پور سے نہیں تھا، لیکن انھوں نے عارضی، یا مستقل طور پر یہاں قیام کیا؛ جبکہ تیسرے حصہ میں ان مشاہیر کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے جو اگرچہ بہاول پور ہی میں متولد ہوئے اور پلے بڑھے، لیکن بوجوہ یہاں مستقل قیام نہیں کیا، اور ترک سکونت کر لی۔

(۱)

الطاف حسین حالی: الطاف حسین حالی اور ریاست بہاول پور کے تعلق کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب نواب صادق محمد خان رابع نے بہاول پور میں نور محل کی بنیاد رکھی۔ یہ تعمیر ۱۸۷۲ء سے شروع ہو کر ۱۸۷۵ء میں مکمل ہوئی۔ حالی نے محل کا ذکر سنا تو قطعہ تاریخ تعمیر لکھ کر نواب صاحب کو بھجوایا۔ لیکن اس میں فنی نقص یہ تھا کہ

انھوں نے نور محل کی بجائے شیش محل کی مناسبت سے مادّہ تاریخ نکالا تھا۔ لہذا نواب صادق محمد خان رابع کے درباری شاعر مولانا عزیز الدین کے مشورے پر اسے تحریر نہ کیا گیا۔(۲) حالی کی ریاست میں آمد کے سال کا تعین حتمی طور پر نہیں کیا جاسکا، لیکن گمان غالب یہی ہے کہ یہ آمد نواب صادق محمد خان رابع کے دور میں ہوئی۔ نواب صاحب کی علمی اور مذہبی اداروں کی سرپرستی کے شہرہ کے باعث ان کی آمد کا مقصد ''انجمن گدایان قوم'' کے لیے چندے کا حصول تھا۔ انھوں نے اپنے وفد کے ہمراہ صادق گڑھ محل، ڈیرہ نواب میں نواب صاحب سے ملاقات کی۔ اسی موقع پر یہ نظم مولانا الطاف حسین حالی نے نواب صاحب کے حضور پیش کی:

چھوڑ کر بھٹکا ہوا اک کارواں آئے ہیں ہم ڈھونڈتے خضر مبارک پے کو یاں آئے ہیں ہم
ڈر ہے جو خوش دل ہیں وہ سن کر نہ ہوں پژمردہ دل سخت عبرت خیز لے کے داستان آئے ہیں ہم
علم جو زندہ کیا تھا آپ کے اجداد نے آج اس در پر اس کے نوحہ خواں آئے ہیں ہم
ہند میں اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چمن لے کے یہ مژدہ فصل خزاں آئے ہیں ہم
قوم کھو بیٹھی ہے جو عباسیوں کی یادگار جستجو میں اس کی مشعل لے کے یاں آئے ہیں ہم
تاکہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا اس لیے ڈالے گلے میں جھولیاں آئے ہیں ہم(۳)

شبلی نعمانی: شبلی نعمانی اگرچہ بذات خود کبھی بہاول پور نہیں آئے، لیکن ان کا ریاست سے تعلق ندوۃ العلما کے حوالے سے رہا، جس کا اظہار شبلی کے مکتوبات سے بھی ہوتا ہے۔(۴) اس تعلق کا آغاز ۱۹۰۸ء میں ہوا، جب دارالعلوم کی عمارت کی تعمیر کے کارخیر میں دیگر ریاستوں کے ساتھ ریاست بہاول پور نے بھی حصہ لیا، اور نواب صادق محمد خان خامس کی دادی محترمہ۔ کندن بی بی معروف بہ حضرت مائی صاحبہ نے اپنی جیب خاص سے پچاس ہزار روپے کی مدد فراہم کی۔ شبلی نعمانی نے اس مدد کو تائید غیبی قرار دیا(۵)، جس کی بدولت ندوہ العلما کی نہ صرف بنیاد مستحکم ہوئی، بلکہ اس کی تمام آیندہ ترقیوں کے لیے راستہ صاف ہوگیا۔ ۱۰ مارچ ۱۹۰۸ء کو شبلی نعمانی نے ریاست بہاول پور کے نام ''ریاست بہاول پور کی بے مثل فیاضی اور زندہ زبیدہ خاتون'' کے عنوان سے شکریہ کا خط تحریر کیا، جو ریاست کے دفتر دستاویزات (محافظ خانہ) میں ''اہم خطوط و دستاویزات ریاست بہاول پور (۱۸۷۲-۱۹۲۱ء)'' کے ذخیرہ میں شمارہ نمبر: ۵ کے تحت موجود تھا۔(۶) خط سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''گو آیندہ ندوہ کسی حد تک بڑھے اور کتنی ہی ترقی کر جائے، لیکن انصاف یہ ہے کہ جو کچھ ہوگا، اسی فیاضی کا پرتو، اسی تخم کا ثمر، اسی آفتاب کی شعاعیں ہوں گی۔ اے صوبہ الہ آباد، اے اودھ! تو نہایت وسیع، نہایت ممتاز، نہایت معزز ملک ہے، لیکن سچ یہ ہے، اور اب اس سے خود تجھ کو انکار نہیں کرنا چاہیے، کہ پنجاب نہیں، بلکہ اس کی ایک ریاست نہیں، بلکہ اس کی ایک خاتون

محترم کے آگے تیری گردن ہمیشہ کے لیے جھک گئی۔ تو نے کبھی برہان الملک اور آصف الدولہ پیدا کیے ہوں گے، لیکن تو کسی زبیدہ خاتون کا نام نہیں لے سکتا۔'' (۷)

شبلی نعمانی کے دیگر مکتوبات میں بھی بہاول پور کا ذکر گاہے گاہے ملتا ہے۔ مثلاً: ۲ مئی ۱۹۱۰ء، ۱۷ نومبر ۱۹۱۰ء، (ص: ۲۷۵) وغیرہ۔ حکیم غلام غوث بہاول پوری، سرکاری طبیب، (سپرنٹنڈنٹ آبکاری ریاست خیر پور سندھ) کے نام موجود چار مکتوبات مرقومہ: ۱۹۱۰ء، ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۲ء، ۱۳ دسمبر ۱۹۱۲ء اور ۹ نومبر ۱۹۱۳ء (ص: ۳۲۵ تا ۳۲۷) ملتے ہیں۔ ۱۹۱۰ء کے مکتوب میں شبلی نے مکتوب الیہ کے بچے کی ولادت کی مناسبت سے مادہ تاریخ: ''حکیم تشریف آور دند ۱۳۱۹ھ'' بھی کہا۔ (۸)

سید سلیمان ندوی: سلیمان ندوی ریاست بہاول پور سے دلی وابستگی، اور عقیدت رکھتے تھے، جس کا آغاز بقول ان کے ۱۹۰۸ء سے ہی ہوا: ''سرکار بہاول پور کا نام سب سے پہلی دفعہ میرے کانوں نے ۱۹۰۸ء میں سنا جب میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں معمولی طالب علم تھا۔ عالی حضرت جدہ ماجدہ صاحبہ نے یک مشت پچاس ہزار کی شاہانہ رقم ندوۃ العلماء کی تعمیر کے لیے عطا فرمائی تھی اور وہ بتیس برس کی بات یوں یاد رہ گئی کہ اس خوشی میں اس دن ہم تمام طالب علموں نے اپنے کھانے مستحقین کو تقسیم کر دیے تھے اور خود بھوکے رہے تھے۔'' (۹)

علاوہ ازیں بہاول پور پر حکمران عباسی خاندان کے اسلاف کے علمی کارناموں کے سبب بھی وہ بہاول پور سے عقیدت، بلکہ اس کے در و دیوار تک سے انسیت رکھتے تھے۔ نواب صادق محمد خان خامس نے رسول صادق کے عنوان سے سیرت رسول ﷺ پر ایک کتابچہ لکھا (۱۰)، تو سید سلیمان ندوی نے اسی عقیدت کے سبب، عدیم الفرصتی کے باوجود اس مسودے کو حرف حرف پڑھا، اصلاح فرمائی، اور کچھ مشورے بھی دیے۔ (۱۱) ۱۹۴۰ء میں صادق ایجرٹن کالج بہاول پور کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر سید سلیمان ندوی کو مدعو کیا گیا۔ اسی تاریخ کو آپ کو اسلامیہ کالج پشاور کے جلسہ تقسیم اسناد کے لیے دعوت دی گئی تھی، لیکن انھوں نے بحیثیت تعلیم یافتہ و خدمت گذار ندوۃ العلما ریاست بہاول پور سے روابط کی بنا پر پشاور کی بجائے بہاول پور کو ترجیح دی۔ (۱۲) ۱۴ مارچ ۱۹۴۰ء کو صادق لائبریری ہال میں یہ جلسہ منعقد ہوا۔ عطائے اسناد کے بعد سید سلیمان ندوی نے اپنا خطبہ پڑھا۔ (۱۳) خطبے سے اقتباس دیکھیے:

> ''ہندوستان کی تمام اسلامی ریاستوں میں اس ریاست کو خاص اہمیت حاصل ہے کہ اس کی آبادی میں ۸۵ فیصدی مسلمان بستے ہیں۔ اس بنا پر اس کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک خاص وابستگی ہے اور چونکہ عدل و انصاف اور بے تعصبی اس ریاست کا خاص دستور ہے، اس لیے بلا تفریق ہر قوم و مذہب کے لوگوں میں اس کو ہر دلعزیزی حاصل ہے۔'' (۱۴)

سلیمان ندوی کی بہاول پور آمد کو علم و عرفان کی بارش سے تعبیر کیا گیا۔اس موقع پر بہاول پور کے نابینا شاعر حکیم احمد علی سیف نے درج ذیل نظم پڑھی:

جس پہ نازاں ہیں مسلمان، وہ مسلمان آیا — پیکر علم کہیں جس کو وہ انسان آیا
دی ہے قسام ازل نے جسے طبع نقاد — مژدہ اے قوم کہ وہ شبلیِ دوران آیا
ہم کہاں اور وہ کہاں، میں تو یہ کہہ دیتا ہوں — مورِ بے مایہ کے پاس آج سلیمان آیا
جس کو کہتا ہے بجا حافظ تاریخ جہان — سیف اس شہر میں وہ فاضل دوران آیا

سلیمان ندوی نے جواب میں یہ فی البدیہہ اشعار کہے:

انسان وہ ہے جو انسان کو انسان سمجھے — سچ تو یہ ہے کہ گدا کو بھی سلطان سمجھے
احباب کے ذوق کا ممنون ہوں میں — ایک مورِ ناچیز کو بھی سلیمان سمجھے(۱۵)

۱۵/مارچ ۱۹۴۰ء کو اسی کالج میں اس مجیدیہ ہسٹری سوسائٹی، بہاول پور کے زیر اہتمام ایک جلسہ میں خصائص اسلامی (Muslim Culture) کے موضوع پر طلبہ سے ڈیڑھ گھنٹے پر مشتمل خطاب کیا۔(۱۶) ۱۵/مارچ کو ریاست کی جامع مسجد میں ''فضائل نبوی'' پر آپ کا وعظ ہوا۔(۱۷) جامعہ عباسیہ (موجودہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور) کا دورہ بھی کیا، جس کی بنیاد ۱۹۲۵ء میں ریاست میں جامعہ الازہر مصر کی طرز پر رکھی گئی۔جامعہ کو ان کی میزبانی کا یہ شرف شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی کے دور صدارت میں حاصل ہوا۔(۱۸) وزارت تعلیم کی درخواست پر ۱۹۲۵ء میں جامعہ عباسیہ کے نصاب کی اصلاح و ترمیم کی مشاورت کے لیے بہاول پور تشریف لائے (۱۹)، اور ان کی سربراہی میں نصاب اور عملہ کی از سر نو تنظیم کے لیے ریاست کے وزیر تعلیم کی نگرانی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔اس میں مولانا ظفر انصاری، مولانا محمد شفیع سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور اور چند دیگر علماے کرام بھی شامل تھے۔کمیٹی کی سفارشات کو قطعی شکل کراچی میں ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو سید سلیمان ندوی کی صدارت میں منعقد ہونے والے اجلاس میں دی گئی۔(۲۰) سلیمان ندوی کے مکتوبات میں بھی متعدد مقامات پر بہاول پور کا ذکر ملتا ہے۔مثلاً: میجر شمس الدین، وزیر تعلیم ریاست، جو اپنی علمی، ادبی اور سیاسی سرگرمیوں کے باعث بہاول پور کی ممتاز شخصیات میں سے تھے، سے سلیمان ندوی کے تعلق خاطر اور مراسلت کا علم ان مکتوبات سے ہوتا ہے، جو انھوں نے عبدالماجد دریابادی کے نام لکھے۔(۲۱)

مولوی عبدالحق: بابائے اردو مولوی عبدالحق، نواب صادق محمد خان خامس کی دعوت پر متعدد مرتبہ ریاست تشریف لائے۔مثلاً: ۱۳/اپریل ۱۹۵۱ء کو کراچی میں منعقد ہونے والی اردو کانفرنس کی صدارت کے لیے نواب صاحب کو مدعو کرنے کی غرض سے خود آئے۔۱۵/اپریل کو وزیر معارف و صحت نے ان کے اعزاز میں عشائیہ کا اہتمام کیا، جس میں ریاست کے وزرا، اور دیگر معززین بھی مدعو کیے گئے۔(۲۲) انھوں نے نواب صاحب کی

اردو کی سرپرستی کے باعث بہاول پور کو اردو زبان کے بوستان کا درجہ دیا۔(۲۳) ۱۹۵۴ء میں یہاں کی ادبی تنظیم حلقہ ارباب ادب کے زیر اہتمام سہ روزہ آل پاکستان اردو کانفرنس کا انعقاد ہوا، جس کی صدارت کے لیے مولوی عبدالحق کو بطور خاص مدعو کیا گیا۔ انھوں نے ہاشمی فرید آبادی اور دیگر ساتھیوں پر مشتمل وفد کے ہمراہ اس کانفرنس میں شرکت کی۔ ماہرا لقادری، حیدر دہلوی، ادیب سہارن پوری، شفیع دہلوی، ظہیر کاشمیری، ثریا خلیل عرب، اور بیگم حفیظ بھی شرکا میں شامل تھیں۔(۲۴) مولوی عبدالحق نے اسی خطبہ صدارت میں جنوبی پاکستان میں اردو یونیورسٹی کے قیام کے منصوبے کا اعلان کیا۔(۲۵) کانفرنس کے اختتام پر ایک کل پاکستان مشاعرہ بھی منعقد ہوا۔(۲۶)

علامہ محمد اقبال: ریاست اور اقبال کے باہمی تعلق کا بیان ایک الگ مضمون کا تقاضا کرتا ہے۔ مختصراً بیان کیا جائے تو یہ تعلق نواب بہاول خان خامس کے دور میں استوار ہوا، جب ۱۹۰۳ء میں ان کی مسند نشینی کی تقریب پر علامہ اقبال کو مدعو کیا گیا تھا، اور ان سے ایک قصیدہ کہنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ اقبال بوجوہ شرکت نہ کر سکے۔ لیکن ''دربار اقبال'' عنوان سے قصیدہ ضرور لکھا۔(۲۷) یہ قصیدہ نومبر ۱۹۰۳ء کے مخزن میں، سر عبدالقادر کی تحریر کے ساتھ شائع ہوا، اور باقیات اقبال میں بھی موجود ہے:

زینت مسند ہوا عباسیوں کا آفتاب — ہو گئی آزاد احسان شہ خاور زمین
یعنی نواب بہاول کرے جس پر فدا — بحر موتی، آسمان انجم، زرد گوہر زمین
جس کی بزم مسند آرائی کے نظارے کو آج — دل کے آئینے سے لائی دیدہ جوہر زمین
آستانہ جس کا ہے اس قوم کی امید گاہ — تھی کبھی جس قوم کے آگے جبین گستر زمین
مایہ نازش ہے تو اس خاندان کے واسطے — اب تلک رکھتی ہے جس کی داستان از بر زمین
جس کے ثانی کو نہ دیکھے مدتوں ڈھونڈے اگر — ہاتھ میں لے کر چراغِ لالہ احمر زمین
ہو ترا عہد صبح حکمت کی نمود — وہ چمک پائے کہ ہو محسود ہر اختر زمین(۲۸)

اقبال، متعدد مرتبہ بہاول پور اور صادق گڑھ محل، ڈیرہ نواب صاحب تشریف لائے۔ پہلی آمد نواب صادق محمد خان خامس کی دعوت پر ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔ نواب صاحب کے سیکرٹری نے ڈیرہ نواب صاحب ریل وے سٹیشن پر آپ کا استقبال کیا۔ سٹیشن کی اسلامی طرز کی گنبد نما عمارت، لوگوں کی عربوں سے ملتی بودوباش، سروں پر ترکی ٹوپیاں، اور عوام الناس کا والہانہ استقبال دیکھ کر انھوں نے فی البدیہہ کہا تھا:

اے یادگارِ سطوت اسلام زندہ باد — زندہ ہیں تیرے دم سے عرب کی روایتیں (۲۹)

۱۹۲۸ء میں اقبال، ریاست کے قانونی مشیر مقرر ہوئے، ۲ ستمبر ۱۹۲۸ء کو تحریر شدہ ان کا تقرر نامہ، جو ان کی رہائش گاہ میں موجود میوزیم میں محفوظ ہے، کا اردو ترجمہ ذیل میں درج ہے:

''ملازمت کی شرائط طے پانے کے بعد دربارشاہی بہاول پور میں آپ کی بطور قانونی مشیر تعیناتی یکم اگست ۱۹۲۸ء سے عمل میں لائی گئی ہے۔ابتدا میں مدت ملازمت ایک سال کے لیے ہوگی۔ماہانہ تنخواہ ایک ہزار روپے مقرر کی گئی ہے۔لاہور کی حدود سے باہر سفر کی صورت میں سفری اخراجات ریاست کے وزیر کو ملنے والے سفری الاﺅنس کے مساوی ہوں گے۔ریاست بہاول پور میں قیام کے دوران آپ کو ہمیشہ بطور شاہی مہمان سہولیات میسر ہوں گی۔''

یکم مارچ ۱۹۳۰ء کو اقبال کی بہاول پور آمد کا ذکر انجمن حمایت اسلام کے چار رکنی وفد (سردار حبیب اللہ، شیخ امیر علی، حاجی شمس الدین، علامہ اقبال) ترتیب دیے جانے کے حوالے سے بھی ملتا ہے جس نے بسلسلہ عطیہ نواب صاحب سے ملاقات کرنا تھی۔(۳۰) اقبال اور نواب صاحب کی تیسری ملاقات کا ذکر انجمن حمایت اسلام کے چھیالیسویں سالانہ اجلاس (منعقدہ:۲۷ تا ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء) کی صدارت کے حوالے سے ملتا ہے۔اس اجلاس میں اقبال نے نواب صاحب کی خدمت میں تہنیت نامہ پیش کیا۔اسی موقع پر اقبال نے ایک غریب مسلمان کی طرف سے دیا گیا جائے نماز اور مسلمانان لاہور کی جانب سے قرآن پاک کا تحفہ نواب صاحب کو پیش کیا۔(۳۱) ۱۹۳۶ء میں اقبال، انجمن حمایت اسلام کے سات رکنی وفد کے ہمراہ بہاول پور آئے، جس کے صدر شیخ علی بخش تھے۔(۳۲) اقبال کی خواہش پر اقبال اور نواب صاحب کی ملاقات کا اہتمام نواب صادق محمد خان خامس کے ملٹری سیکرٹری اور رفیق خاص، بریگیڈئر سید نذیر علی شاہ نے ستمبر ۱۹۳۷ء میں بہاول پور ہاﺅس، لاہور میں کیا، جو آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ نذیر احمد، اقبال اور نواب صاحب کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شام کی گاڑی سے امیر بہاول پور لاہور پہنچ چکے تھے۔بہاول پور ہاﺅس میں قیام تھا۔پہنچتے ہی دستی لکھا دعوت نامہ مجھے علامہ کی خدمت میں پہنچا دینے کے لیے دیا، اور مصاحبوں اور ملازموں کو کل پانچ بجے سہ پہر حضرت علامہ اقبال کے بہاول پور ہاﺅس تشریف لانے کا اعلان فرمایا اور چائے کے انتظام کے لیے ہدایات دیں۔اسی رات کی گاڑی سے بہاول پور واپس جانا تھا۔''(۳۳)

نذیر احمد شاہ کے مطابق: اقبال ٹھیک پانچ بجے بہاول پور ہاﺅس تشریف لائے۔کوئی دو گھنٹہ تک تخلیہ میں ملاقات ہوئی۔ بڑی ہی راز دار باتیں ہوں گی، کیونکہ امیر نے ہم مصاحبوں کو غیر معمولی طور پر ان باتوں کے شمہ بھر سے بھی محروم رکھا۔گاڑی میں سوار کرانے تک حضرت علامہ نے بچوں کی سی خوشی کے انداز میں بار بار یہی ایک بات فرمائی: ''اوئے نذیر! اج بہت اچھیاں اچھیاں گلاں ہویاں نیں۔''(۳۴)

مولوی غلام حسین وزیر تعلیم و امور داخلہ ریاست، اور ان کے صاحبزادے میجر شمس الدین، وزیر تعلیم ریاست سے بھی اقبال کے قریبی تعلقات تھے، اور باہمی خط کتابت اور بہاول پور میں ان کے گھر پر ملاقاتیں بھی رہیں (۳۵) اقبال کی وفات کا ریاست میں سرکاری سطح پر سوگ منایا گیا، اور ان کی برسی بھی نہایت باقاعدگی اور عقیدت واحترام سے منائی جاتی تھی۔(۳۶) اقبال کی وفات پر مولوی غلام حسین کے کہے مرثیے کے چند اشعار:

برفت از ما مثیل فخر رازی — نظیرش نیست در حکمای ماضی
دریغا عرفی و رومی زمان رفت — فدای ملک و ملت پاسبان رفت
بسوزِ دردِ دل اندر جنان رفت — جد گشتہ ز دنیای دون بہ شان بی نیازی
ادیبِ بی بدل آن صاحب حال — کہ مشہورست در عالم بہ اقبال
چنین فرخندہ فرزند دیگر گیتی نزاید — اگر زاید بزاید لیک مثلش کی بیاید(۳۷)

ظفر علی خان: ۲۹/ اپریل ۱۹۳۴ء کو بہاول پور میں منعقدہ کل ہند مشاعرے میں ہندوستان کے تقریباً تمام معروف شعرا کے علاوہ مولانا ظفر علی خان بھی شریک تھے۔ مشاعرے میں شریک شعرا کی کثیر تعداد کے پیش نظر شعرا کو سٹیج پر شعر خوانی کا موقع بذریعہ قرعہ اندازی دیا گیا۔ پہلی نشست کا آغاز ہوا تو اتفاق سے پہلا قرعہ ہی ظفر علی خان کے نام نکلا۔ انھوں نے سٹیج پر آ کر اپنی شاعری سے بزم مشاعرہ کو گرما دیا۔ اس موقع پر جو اشعار پڑھے جن میں سے چند، یادگار کے طور پر یہاں درج کیے جاتے ہیں:

چراغ اسلام کا روشن مکاں سے لامکاں تک ہے — مسلمانوں کی گیرائی زمیں سے آسماں تک ہے
دلوں میں تازہ یاد اب بھی ہے عباسی فضائل کی — تو اس کی تازگی اس میر عالی دودماں تک ہے
روایات سلف کی رونقیں پرتو بداماں ہیں — نظر ارباب بینش کی پہنچ سکتی جہاں تک ہیں
یہ جنگ انسان کے سر پر جو قیامت بن کے ٹوٹی ہے — پہنچ اس کی نئی تہذیب کی رگ ہائے جاں تک ہے
دلوں کی گتھیاں کھول دے جو چٹکی بجانے میں — وہ جادو پنجاب میں ان دنوں میری زبان تک ہے(۳۸)

مشاعرے کے اختتام پر ظفر علی خان دوبارہ سٹیج پر آئے اور اپنے خاص رنگ میں کچھ اور نظمیں سنائیں۔(۳۹) مشاعرے کی چوتھی نشست، منعقدہ ۳۰ اپریل کی صدارت بھی ظفر علی خان نے کی۔ مشاعرے کے اختتام پر اختتامیہ خطبے میں اس مشاعرے کی کامیابی پر تعجب انگیز مسرت کا اظہار کیا۔ اس تقریر سے اقتباس ملاحظہ ہو:

''بہاول پور ایک خوش نصیب خطہ ہے کہ اس کا فرمانروا اپنی عزیز رعایا پر دل سے مہربان ہے اور رعایا بھی اپنے آقا پر پروانہ وار فریفتہ وجان نثار ہے۔ اس مشاعرہ کی کامیابی کا دارومدار

کرنل مقبول حسن (۴۰) کے سر ہے، جن کی کوشش، اخلاق اور اثر سے ہندوستان کے ہر ایک کونے سے شعرا یہاں جمع ہو گئے۔ ایسی بلند پایہ نظمیں پہلے کبھی نہ سنی گئی ہوں گی، جو آج اور کل آپ نے اس شاہی شامیانے کے نیچے سنی ہیں۔ شعرا کی آواز دنیا میں پھیل جاتی ہے، اس لیے میں شعرائے نامدار کی خدمت میں عرض کرتا ہوں:

اے نکتہ وران ملک وملت، اے ہم نفسو! بدلا ہے زمانہ تو بدل دو روش اپنی

میں چاہتا ہوں کہ میری آواز ہند کے گوشے گوشے میں پھیل جائے کہ ہندوستان اپنے پاوں پر کھڑے ہونے کے قابل ہے۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ ہندو مسلمان سب ایک ہو جاو، اور اختلاف کی باہمی خلیج پاٹ دی جائے اور خلیج پر اردو زبان کا پل تیار کر دو...... ''(۴۱)

یکم مئی ۱۹۴۳ء کو ان شعرائے کرام کے اعزاز میں نواب صاحب کی جانب سے صادق محل ڈیرہ نواب صاحب، میں ایک پر تکلف استقبالیہ دیا گیا۔ اس موقع پر وزرائے حکومت اور اعلیٰ عہدے دار بھی شریک تھے۔ نواب صاحب نے مہمان شعرا کو خوش آمدید کہا۔ بعض شعرا کو اپنے قریب بٹھا کر تبادلہ خیالات کیا اور بعض سے کلام بھی سنا (۴۲) اس موقع پر ظفر علی خان نے فی البدیہہ پڑھا:

نصیب اچھے ہیں ان نازک خیالوں کے، پہنچ جن کی بہاول پور کے فرمانروا کے آستان تک ہے

نواب صاحب اور جملہ حاضرین مولانا ظفر علی خان کے ان بر جستہ اشعار سے بہت محظوظ ہوئے۔ (۴۳)

حفیظ جالندھری: حفیظ جالندھری بہاول پور سے اپنا تعلق بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میرا بہاول پور سے اس لیے تعلق زیادہ رہا ہے کہ تمام ریاستوں میں بہاول پور ہی ایک ایسی ریاست تھی جہاں مسلمان شرفاء اسلامی دستور کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور یہ واحد ریاست تھی جہاں اردو، سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج تھی۔ بہاول پور کے نواب سے میرے بڑے گہرے اور برادرانہ تعلقات تھے۔''(۴۴)

حفیظ، ریاست کے آخری درباری شاعر تھے۔ وظیفے اور مراعات پاتے تھے۔ اپنی شعری خدمات کی بنا پر ۳۰ ستمبر ۱۹۳۵ء کو ریاست کی جانب سے امتیاز ہارونیہ درجہ ثالث سے نوازے گئے۔ (۴۵) وظیفے سے متعلق حفیظ کا یہ خط ریاست کے سپرنٹنڈنٹ توشہ خانہ۔ (۴۶) ماسٹر نذیر حسین کے نام ہے، جو ۲۷ ستمبر ۱۹۳۴ء کو ماڈل ٹاؤن لاہور سے لکھا گیا:

''محترمی ماسٹر صاحب قبلہ

السلام علیکم۔ میں انشا اللہ کل، یعنی ۲۸ ستمبر کو کراچی میل سے بہاول پور سٹیشن پر پہنچوں گا۔

ہو سکے تو سواری سٹیشن پر بھجوا دیجیے گا۔ ہر طرف سے تنگ آ کر آپ ہی کو لکھتا ہوں۔ کیونکہ آخر جو تعلق آپ کی ذات سے ہے، دوسرے سے نہیں، اور آپ ہی کی مہربانیاں اب تک اس سلسلے کے لیے چلی جا رہی ہیں۔ بہت عجیب عجیب خبریں سن رہا ہوں۔ خدا خیر کرے۔ سنا ہے بڑے بڑے انقلابات آ رہے ہیں۔

میری ہستی نہ اڑ جائے غبار کارواں ہو کر

کرنل صاحب اگرچہ بڑے مہربان ہیں۔ لیکن خدارا وہ عطیہ سرکاری تو دلوا دیجیے، جس کا ۹۰۰ روپیہ ابھی تک باقی ہے۔ دو سال ہو گئے۔ آپ کا جانا میرے لیے تو برا ہی ہوا۔ میرے معمول میں بھی کمی ہو رہی ہے۔ خیر قسمت۔''

حفیظ، جب بہاول پور آتے تو ریشمی دھوتی کے ساتھ بہاول پوری کرتا پہنا کرتے۔ اہل بہاول پور سے قربت کے اظہار کے لیے یہاں کی روایتی ترکی ٹوپی بھی اوڑھتے تھے۔ مہر عبدالحق کے مطابق انھوں نے شاہنامہ اسلام، سب سے پہلے بہاول پور کی جامع مسجد الصادق میں سنایا۔ جہاں وزیر امیر کئی لوگ جمع تھے۔ انھیں خوب نذرانے ملے۔ بعد میں طلبا انھیں ہاسٹل لے گئے۔ وہاں ان کا اتنا دل لگا کہ تین ماہ ہاسٹل میں ہی مقیم رہے۔ روزان سے شاہنامہ اور شاعری سنی جاتی۔ (۴۷) ۱۹۳۵ء میں انھیں نواب صادق محمد خان خامس کے ہمراہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ اسی سفر میں ان کے شعری مسودات بس سے گر گئے، لیکن خوش قسمتی سے بعد ازیں واپس مل گئے۔ (۴۸) اس سفر کے دوران جدہ کے مقام پر درج ذیل نظم نواب صاحب اور دیگر شریک سفر ساتھیوں کو سنائی:

مدینہ کو چلا ہے قافلہ ایمان والوں کا
رہ حق میں سر تسلیم خم ہے شان والوں کا

خدا چاہے تو دونوں جگ میں بیڑا پار ہے اس کا
کہ سر صادق محمد کاروان سالار ہے اس کا

یہ شوکت زندہ باد اے یادگار شان عباسی
ترے دم سے ہے قائم دہر میں احسان عباسی

تیرے باعث ملی ہے یہ سعادت آج ہم کو بھی
کہ حاصل ہو رہی ہے زیست کی معراج ہم کو بھی

کیا ہے قصد تو نے جس طرح حج و زیارت کا
یہی شان ریاست ہے یہی ہے حق امارت کا

بزرگوں کے وطن کا دیکھنا تجھ کو مبارک ہو
نشانات کہن کا دیکھنا تجھ کو مبارک ہو

وہاں تیری رعایا کی دعائیں ساتھ ہوں تیرے
یہاں تیرے رفیقوں کی وفائیں ساتھ ہوں تیرے

چلا ہے شاد شاد اپنے وطن سے شاد شاد آئے
در محبوب حق سے کامیاب و با مراد آئے

رسول اللہ کے جلووں سے دل پر نور ہو تیرا
مرادیں تیری پوری اور حج منظور ہو تیرا (۴۹)

احسان دانش: احسان دانش بھی متعدد بار بہاول پور آئے۔ مثلاً: ۱۹۴۹ء میں نواب صادق خامس کی سالگرہ کے جشن کی مناسبت سے مشاعرے اور محافل موسیقی کا اہتمام کیا گیا، جس میں سیماب اکبر آبادی، حفیظ جالندھری، احمد ندیم قاسمی کے علاوہ احسان دانش بھی شامل تھے۔(۵۰) احمد پور شرقیہ کی ادبی انجمن ''بزم ادب'' کے زیر اہتمام منعقدہ آل پاکستان مشاعرے میں شرکت کی۔ وغیرہ۔ نواب صادق محمد خان خامس کی مدح میں احسان دانش نے کہا تھا:

تھے تیرے اجداد کی میراث میں سیف و قلم — جس سے گرد و پیش میں تھا شہرہ جاہ و حشم
اب بھی تو تاریخ ملت کا حسین عنوان ہے — ترا پاکستان کی تعمیر پر احسان ہے
ترے آبا سے رہا ہے اولیا کا واسطہ — تری نسلوں کے لیے تو ہے بھٹائی کی دعا(۵۱)

(II)

ارشد گورگانی: مرزا عبدالغنی ارشد گورگانی کا شمار ان اہل علم و دانش میں ہوتا ہے جو ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے اثرات کے نتیجے میں ہونے والی بے روزگاری کے باعث اپنے خاندان کے ہمراہ بہاول پور آکر آباد ہوئے۔ ریاست بہاول پور نے ان کی قدر افزائی کی، اور ایک مدح کے نتیجے میں درباری شاعر مقرر کیا۔ دوسو روپیہ سالانہ وظیفہ ملا کرتا تھا۔(۵۲) وہ اگرچہ زیادہ عرصہ ریاست میں مقیم نہیں رہے، اور بیشتر وقت ملتان میں گزارا، لیکن اکثر یہاں آکر ادبی محفلوں میں شریک ہوا کرتے۔(۵۳) البتہ ان کے بھائی مرزا محمود اشرف یہاں مستقل طور پر آباد ہو گئے، جن کے بیٹے اشرف گورگانی ۱۸۸۲ء میں مطبع صادق الانوار میں مترجم اور بعد ازیں پروفیسر، میر منشی، انسپکٹر تعلیم، اور نواب صادق محمد خان خامس کے اتالیق رہے۔ اس طرح دہلی کا یہ اہل زبان خاندان دربار بہاول پور سے منسلک ہوا اور ادب کی ترویج کا باعث بنا۔ نوابان بہاول پور نے ان کی قدر دانی کی، اور ان کی صلاحیتوں کو ریاستی امور کی بہتری کے لیے استعمال کیا۔(۵۴)

ارشد گورگانی نے مختلف مواقع کی نسبت سے نوابان کی مدح میں متعدد قصائد کہے جن میں سے چند اس دور کے صادق الاخبار کے پرچوں میں اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ذیل میں ۱۸۹۲ء، ۱۸۹۴ء اور ۱۸۹۵ء کے پرچوں میں چھپی خبریں دیکھیے:

''ان کے بعد عندلیب فصاحت و بلاغت سخنور یگانہ مرزا محمد عبدالغنی صاحب گورگانی تیموری دہلوی ارشد تخلص، اور ماسٹر اورینٹل ہائی سکول فیروز پور کو وزیر اعظم نے سامنے آنے کا حکم دیا۔ گورگانی مرزا نے کھڑے ہو کر فصاحت کے دریا بہا دیے...... ان صاحبوں کو خاص طور پر، اور عام گروہ شعرا کو عام طور پر انعام و صلہ مناسب سرکار عالی سے عطا ہوا اور ایک متنفس بھی خالی نہیں گیا۔''(۵۵)

۲۶/ اپریل ۱۸۹۴ء کو ایجرٹن کالج کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی۔ اس جلسہ میں سالانہ رپورٹ

پڑھنے کے بعد ایجوکیشنل سیکرٹری نے مرزا محمد عبدالغنی ارشد گورگانی کا بھیجا ہوا ایک اردو قصیدہ پڑھ کر سنایا۔اس کے پانچواں مصرعے کو بار بار پڑھا: خدا صادق محمد خان بہادر کو سدا رکھے۔(۵۶)

۲۰/اگست ۱۸۹۵ء کو ڈیرہ مبارک میں سالگرہ کا دربار منعقد ہوا۔جس میں خواجہ فرید بھی شریک ہوئے۔ایڈیٹر لکھتا ہے:

''بیسیوں شاعر، صدہا قطعہ گو، سینکڑوں قصیدہ خوان، حسب عادت رونق افروز ڈیرہ مبارک تھے۔سبھی کو بہت کچھ دیا گیا۔اور مساکین وواعظین واہل حاجت سب کی حاجتیں روا ہوئیں۔'' ارشد گورگانی ایک شعر اس موقع پر لکھتے ہیں:

خدا صادق محمد خان بہادر کو سدا رکھے سدا تخت بہاول پور پر فرمانروا رکھے(۵۷)

۳۰ ستمبر ۱۹۰۳ء کو نواب صادق محمد خان خامس کے جشن ولادت کے موقع پر جہاں دیگر شعرا نے شرکت کی اور تولید کے تہنیت نامے، قصیدے اور تاریخیں لکھ کر پیش کیں، ارشد گورگانی نے بھی اپنا قصیدہ دولت خانہ عالیہ کے کمرہ دربار میں اپنے خاص انداز میں نواب محمد بہاول خان خامس کو سنایا۔چند اشعار:

اے بہاول خان پنجم اے شہ عالی جناب ہو مبارک یہ ولی عہد زمان پیدا ہوا
شکر ہے آئی ریاض سلطنت میں تازگی نو گل بستاں سرائے خانداں پیدا ہوا
ہے رئیس ابن رئیس ابن رئیس خوب نخل نور میں باغ شہاں پیدا ہوا
کمترین ارشد بھی آیا ہے مبارک باد کو جوش خورسندی جو دل کے درمیاں پیدا ہوا

نواب صاحب نے اختتام تہنیت نامہ پر تبسم کے ساتھ''خوب،خوب'' کے الفاظ دہرا کر اظہار مسرت کیا،اور کثیر انعام وخلعت سے بھی سرفراز کیا۔(۵۸)

وحیدالدین سلیم پانی پتی: وحیدالدین سلیم، پانی پت میں پیدا ہوئے۔تعلیم پانی پت اور لاہور سے حاصل کی۔تلاش معاش کی فکر دامن گیر ہوئی تو بہاول پور کا رخ کیا۔۱۸۹۲ء میں صادق ایجرٹن کالج میں ڈگری کلاسوں کا اجرا کیا گیا تو اسی زمانے میں سلیم اس کالج میں ریاضی اور ادبیات کے استاد کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ان کے شاگرد، اور بہاول پور کی معروف علمی وادبی شخصیت اور ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج عزیز الرحمٰن عزیز لکھتے ہیں:

''بہاول پور میں جب ایجرٹن سکول کالج کی منزلت کو پہنچا اور تعلیم کے اغراض کے لیے قابل ترین اساتذہ کا عہد شروع ہوا تو اس عرصہ میں جس طرح انگریزی اور عربی پایہ تکمیل تک پہنچ گئی اردو زبان بھی معراج ترقی کی جانب سرعت سے بلند پایہ ہونے لگی۔حضرت علامہ مرحوم ابوالمحاسن محمد وحیدالدین صاحب سلیم پانی پتی، مدرس ریاضی وادبیات نے کالج کے علم وادب میں روح پھونک دی۔''(۵۹)

انھوں نے اپنی ادبی اورفنی زندگی کا آغاز بھی اسی سرزمین سے کیا۔شروع میں وہ مفتون تخلص کرتے تھے اور اسی تخلص سے آپ کی نعتیہ شاعری چھپی تھی۔(۶۰) ایک شفیق استاد کی حیثیت سے کافی مقبول تھے۔لیکن جو خدمت انھوں نے اس سرزمین کی شاعر و ادیب کی حیثیت سے کی، وہ نا قابل فراموش ہے۔نوجوانوں میں ادبی ذوق پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ مذہبی،قومی وملی شاعری کو متعارف کروایا۔بہاول پور کے متعدد نوجوانوں نے ان سے کسب فیض کیا۔مولوی عزیز الرحمان بھی ان کے تربیت یافتہ تھے۔جنھوں نے بہاول پور میں تصنیف و تالیف کی منظّم بنا ڈالی۔(۶۱) ۱۸۹۲ء سے ۱۸۹۸ء تک، چھ سال کا عرصہ یہاں گذارنے کے بعد وہ بہاول پور سے ترک سکونت کر گئے۔(۶۲)

سر شیخ عبدالقادر: سر شیخ عبدالقادر نے ریاست میں قیام کے دوران یہاں کی ادبی تاریخ پر ان مٹ نقوش ثبت کیے۔ان کا اور ریاست کا تعلق شاید ۱۹۰۳ء سے استوار رہا، جب نواب بہاول خان خامس کی مسند نشینی کی مناسبت سے اقبال نے قصیدہ کہا، اور وہ سر عبدالقادر کی درج ذیل تحریر کے ساتھ نومبر ۱۹۰۳ء کے مخزن میں شائع ہوا:

''ماہ رواں میں چند روز سرزمین بہاول پور نے ایسے دیکھے ہیں، جن پر وہ تا دیر ناز کرے گی۔رعایاے بہاول پور کی مخلصانہ دعائیں کامیاب ہوئیں، نخل تمنا ہرا ہوا، اور شاخ آرزو رنگ لائی۔یعنی حضور پر نور رکن الدولہ نصرت جنگ، مخلص الدولہ، حافظ الملک ہز ہائی نس نواب محمد بہاول خان پنجم عباسی ہز ایکسی لینسی وائسراے وگورنر جنرل بہادر کشور ہند نے خود اپنے ہاتھوں سے مسند ریاست پر بٹھایا اور زمامِ اختیار ان کے ہاتھ میں دی۔اس خوشی کی تقریب میں جو جشن ریاست میں منایا گیا مدتوں یاد رہے گا۔زمین بہاول پور ۱۲/ نومبر کی شام کو کثرت چراغاں سے رشک آسمان بن رہی تھی اور سارا شہر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ایک سجی ہوئی دلہن۔ہجوم خلائق ایسا کہ معلوم ہوا آبادی گرد و نواح میں کہیں باقی ہی نہیں رہی، سب کھنچ کر بہاول پور میں آ گئی ہے۔روساے عالی وقار اور راجگان ذی شان کے علاوہ دیگر معزز مہمان جو ہر فرقے اور طبقے کے منتخب لوگوں میں سے تھے اور ملک کے ہر گوشے سے آئے ہوئے تھے زینت تقریب دوبالا کر رہے تھے۔انگریز حکام کی بھی ایک معقول تعداد رونق بخش جلسہ تھی۔'' (۶۳)

بعد ازیں بھی مختلف مواقع کی مناسبت سے ان کی ریاست میں آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا۔ مثلاً عبدالقادر کے صاحبزادے شیخ محمد رفیع کے ایما پر ادبی تنظیم بزم ادب کے تحت ۱۹۲۷ء کے اواخر میں گلزار لاج، ملتانی دروازہ میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا، جس میں نامی شعرا نے شرکت کی۔(۶۴) عزیز الرحمٰن عزیز نے ستمبر ۱۹۳۹ء میں ''عزیز المطابع الیکٹرک پریس'' کے نام سے بہاول پور کا پہلا عوامی مطبع قائم کیا، جس کا افتتاح سر شیخ عبدالقادر نے کیا؛ ۲۱ فروری ۱۹۴۱ء کو صادق ایجرٹن کالج، بہاول پور کے جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت کی

غرض سے شیخ سر عبدالقادر بہاول پور تشریف لائے،۲۲ فروری کی صبح انھوں نے اس جلسہ میں شرکت کی ،فروری کو ڈیرہ نواب گئے اور صادق گڑھ محل میں قائم نواب صاحب کے ذاتی کتب خانہ سلطانی اور عجائب خانہ سلطانی کا نہایت شوق سے معائنہ کیا۔نواب صاحب نے ان کے اعزاز میں ظہرانہ دیا۔(۶۵) ۱۹۴۲ء میں بہاول پور میں چیف جج کی حیثیت سے اپنے فرائض سنبھالے اور ۱۹۴۵ء تک یہاں مقیم رہے۔

سر شیخ عبدالقادر کے مستقل قیام کو ریاست کی خوش قسمتی قرار دیا گیا۔انھوں نے ۱۹۴۲ء میں صادق آرٹ سرکل کی بنیاد رکھی، اور اس سرکل کے تحت کئی مشاعرے کروائے جن میں ۳۰،۲۹/اپریل ۱۹۴۳ء کا یادگار کل ہندوستان مشاعرہ بھی شامل ہے، جو جنگ عظیم دوم کے قیدیوں اور زخمیوں کی امداد کے لیے ان کی زیرنگرانی منعقد ہوا۔(۶۶) یہ مشاعرہ بہاول پور کی اردو ادب کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ شیخ عبدالقادر کی رہائش گاہ پر گاہے گاہے علمی صحبتیں، اور مشاعرے بھی منعقد ہوتے رہتے، جن سے یہاں ادب خوب پھلا پھولا۔(۶۷)

سر عبدالقادر کی بیٹی وزیر بیگم کی شادی عبداللطیف تپش سے ہوئی جو ایمرسن کالج، ملتان میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔تپش کے صاحبزادے، یعنی سر عبدالقادر کے نواسے ابوظفر حنیف ۱۹۵۴ء سے ۱۹۷۲ء تک بہاول پور کے صادق پبلک سکول کے وائس پرنسپل اور ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۷ء تک پرنسپل رہے۔ سر عبدالقادر کا تعلق بہاول پور سے اس صورت میں ہنوز قائم ہے کہ ابوظفر حنیف کی صاحبزادی نوشین حنیف تاحال اس سکول کے بورڈ آف گورنرز کی ممبر بھی ہیں۔(۶۸)

احمد ندیم قاسمی: پیرزادہ احمد شاہ، معروف بہ احمد ندیم قاسمی کی بہاول پور آمد کی وجہ ان کے سرپرست اور حقیقی چچا خان بہادر پیر حیدر شاہ بنے، جو ریاست بہاول پور میں انتظامی عہدے پر فائز تھے۔(۶۹) احمد ندیم قاسمی نے اٹک سے مڈل، اور شیخوپورہ سے میٹرک کرنے کے بعد ۱۹۳۱ء میں بہاول پور کے صادق ایجرٹن کالج میں داخلہ لیا اور چار سال بعد ۱۹۳۵ء میں بی اے کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔انھوں نے اپنی زمانہ طالب علمی کی دل چسپ یادیں، صادق ایجرٹن کالج کے ادبی مجلّے نخلستان کے ۶۰ سالہ نمبر میں شائع شدہ مضمون: ''ایک ریاستی کالج'' میں بیان کی ہیں۔احمد ندیم قاسمی نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز بہاول پور ہی سے کیا۔ شاعری اور افسانہ نگاری بھی یہیں شروع کی۔نخلستان کے شمارہ بہار، ۱۹۳۵ء کے مدیر تھے۔(۷۰) خود لکھتے ہیں:

> ''بہاول پور سے میرا تعلق کئی وجوہ سے نہایت اہم ہے۔ بہاول پور میں، میں نے شاعری اور افسانہ نگاری کی ابتدا کی، بہاول پور میں اول اول میں نے نوجوانی کا مخمورکن تعطر محسوس کیا اور مجھے معلوم ہوا کہ باوجود دشواریوں کے زندگی، زندہ رہنے کے لیے ہے، بہاول پور میری تعلیم کی آخری منزل ہے، بہاول پور میں مجھے خالد اختر جیسا دوست میسر آیا جس نے مجھے

افسانے لکھنے کی ترغیب دی اور میرا یہ یقین بھی پختہ کر دیا ہے کہ اس زمانے میں مخلص اور بے لوث دوستوں کا قحط محض فسانہ ہے۔اس راکھ میں ابھی تک کئی شرارے پوشیدہ ہیں۔ بہاول پور میں مجھے ایک ایسے بے مثل انسان کی نیاز مندی کا فخر حاصل ہوا جو میرے استاد بھی تھے، دوست بھی اور ہمدرد رہنما بھی۔اور یہ ہیں صادق ایجرٹن کالج بہاول پور کے پرنسپل پیرزادہ عبدالرشید صاحب۔(۷۱) بہاول پور سے اس لیے مجھے محبت بھی ہے اور عقیدت بھی۔'' (۷۲)

جب احمد ندیم قاسمی کالج میں داخل ہوئے تو خالد اختر سال سوم کے طالب علم تھے۔جلد ہی ان کی گہری دوستی ہوگئی، اور طویل رفاقت کا آغاز ہوا۔لہذا فارغ التحصیل ہونے کے بعد بھی وہ خالد اختر سے ملاقات کی غرض سے گاہے گاہے بہاول پور آتے رہے۔۱۹۴۹ء میں نواب صادق خامس کی سالگرہ کے جشن کی مناسبت سے مشاعرے اور محافل موسیقی کا اہتمام کیا گیا، جس میں سیماب اکبر آبادی، حفیظ جالندھری، احسان دانش کے ساتھ احمد ندیم قاسمی بھی شامل تھے۔(۷۳) صادق ایجرٹن کالج نے اپنے قیام کے سو سال مکمل ہونے پر ۱۹۸۲ء میں صد سالہ جشن منایا۔اس میں کل پاکستان مشاعرے کا اہتمام بھی کیا گیا جس کی صدارت احمد ندیم قاسمی نے کی۔(۷۴)

شفیق الرحمان: شفیق الرحمان، رہتک (ہندوستان) کے رہنے والے تھے، لیکن ان کے خاندان نے قیام پاکستان سے بہت عرصہ قبل ریاست کے ضلع بہاول نگر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔انھوں نے میٹرک بہاول نگر سے کیا، اور پھر اعلی تعلیم کے لیے لاہور چلے گئے۔(۷۵) ان کے بھائی راو حفیظ الرحمان ریاست بہاول پور میں وزیر تعلیم وصحت مقرر ہوئے اور یہیں مستقل مقیم ہوئے۔شفیق الرحمان بسلسلہ روزگار بہاول پور ترک کر گئے، لیکن یہاں سے ان کا رابطہ کبھی منقطع نہیں ہوا۔ان کا خاندان بہاول پور میں ہی آباد ہے، جو ان کی یہاں وقتاً فوقتاً آمد کا سبب بنتا رہا۔بقول شہاب دہلوی: ''...... میں نے محسوس کیا کہ وہ دور رہتے ہوئے بھی بہاول پور سے دور نہیں۔'' (۷۶)

منیر نیازی: منیر خان، معروف بہ منیر نیازی کی ولادت ہوشیار پور سے متصل خان پور نامی بستی میں ہوئی۔ ان کے والد فتح محمد خان نیازی، بسلسلہ روزگار ساہیوال میں مقیم تھے، جن کی وفات کے بعد ان کی والدہ کی شادی منیر کے چچا سے ہوگئی۔(۷۷) ان کے چچا، یعنی سوتیلے والد بہاول پور کے محکمہ انہار میں بطور ایگزیکٹو انجینئر تعینات ہوئے تو ۱۹۴۲ء میں منیر نے بہاول پور کے صادق ایجرٹن کالج میں داخلہ لے لیا۔ان کے مضامین میں فارسی، تاریخ اور اکنامکس، اور اردو تھے۔انھوں نے ۱۹۴۴ء انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ انھوں نے بی اے کے لیے دیال سنگھ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا۔(۷۸)

ان کے سوتیلے والد ایک روز نماز کے لیے وضو کر رہے تھے کہ شدید آندھی اور طوفان آیا اور ایک درخت کا بھاری تنا ٹوٹ کر ان پر آن گرا، جوان کی وفات کا باعث بنا۔ بہاول پور کے ملوک شاہ قبرستان میں ہی دفن کیا گیا۔ ان کے عزیز و اقارب اور خاندان کے لوگ آج بھی ملتان، لودھراں اور بہاول پور میں موجود ہیں، لیکن ان کا گھرانہ قیام پاکستان سے قبل ہی ساہیوال میں عیدگاہ روڈ پر منتقل ہو گیا۔(۷۹)

جمیلہ ہاشمی: جمیلہ ہاشمی ۱۷/ نومبر ۱۹۲۹ء کو امرتسر میں برکت علی ہاشمی کے ہاں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم امرتسر سے حاصل کی جب کہ ۱۹۵۳ء میں ایف سی کالج سے انگریزی ادب میں ایم اے کیا۔ ریاست بہاول پور میں ان کی پھوپھی غلام فاطمہ آباد تھیں، جن کے شوہر محمد طفیل پوسٹ ماسٹر تھے۔ تقسیم پاکستان کے دوران، جب حالات خراب ہوئے تو جون ۱۹۴۷ء میں جمیلہ کی والدہ نے جمیلہ، ان کی بہنوں سائرہ اور ذکیہ کو ان کے بھائی سعید ہاشمی کے ہمراہ بذریعہ ریل گاڑی بہاول پور روانہ کر دیا۔ وہ خود اپنے دوسرے بیٹے سعادت کے ساتھ ۱۲/ اگست ۱۹۴۷ء کو مہاجر کیمپ پہنچیں، اور یہ سب مرکزی ڈاک خانے کے اندر ملی ہوئی سرکاری رہائش گاہ میں قیام پذیر ہوئے۔ جمیلہ نے، جو اس وقت بی اے کر چکی تھیں، اپنی پھوپھی پر بوجھ بننا گوارا نہ کیا اور صادق گرلز کالج بہاول پور میں بطور مدرس ملازمت شروع کر دی۔ جولائی ۱۹۴۷ء سے مارچ ۱۹۴۸ء تک یہاں تدریسی فرائض انجام دیتی رہیں۔ بعد ازیں ان کا گھرانہ ساہیوال میں آباد ہو گیا۔ لیکن قسمت جمیلہ کو ایک بار پھر بہاول پور لے آئی، جب ۸/ اگست ۱۹۵۹ء کو ان کی شادی ضلع بہاول پور کے ایک گاؤں خانقاہ شریف کے سجادہ نشین، اور سیاسی رہنما سردار اویس احمد اویسی سے ہوئی، جو خواجہ محکم الدین سیرانی کے آٹھویں گدی نشین اور ایک بڑے زمین دار تھے۔(۸۰) انھوں نے جمیلہ کی علمی سرگرمیوں کی بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ چنانچہ انھوں نے بھی اپنے تخلیقی مشاغل بھرپور انداز میں جاری رکھے۔(۸۱)

جمیلہ خانقاہ کم ہی آتیں، لہٰذا ۱۹۷۰ء میں سردار صاحب نے ۳۱ جونز پارک، لاہور چھاونی میں اک گھر تعمیر کروایا، جس کا نام ''السیر'' رکھا، اور یوں لاہور ان کا مستقل مسکن بن گیا۔(۸۲) ۱۹۷۹ء میں اپنے شوہر کے انتقال کے بعد جائیداد کے تنازعات، مقدمات اور مشکلات کا شکار ہوئیں (۸۳)، لیکن مردانہ وار سامنا کر کے نہ صرف اپنے حصے کی جائیداد حاصل کی، بلکہ صاحب السیر کی گدی کی حیثیت بحال کروائی اور زمینوں کے انتظامات اس عمدگی سے سنبھالے کہ علاقے کے عوام نے انھیں ''خانقاہ کی شیرنی'' کا لقب دیا۔(۸۴) انھوں نے ۱۹۸۴ء میں اپنے شوہر کی یاد میں ''سردار احمد اویسی افسانہ ایوارڈ'' کا سلسلہ شروع کیا۔ اس ایوارڈ کے لیے دس ہزار روپے کی رقم اس سال منتخب ہونے والے بہترین افسانہ نگار کے لیے مختص کی گئی۔ تقسیم ایوارڈ کی پہلی اور دوسری تقاریب خانقاہ شریف میں ان کی آبائی رہائش گاہ سردار باغ میں منعقد کی گئیں۔(۸۵)

ظہور نظر: ملک ظہور احمد، معروف بہ ظہور نظر ساہیوال میں پیدا ہوئے، اور تعلیم قادیان، لدھیانہ سے حاصل کی۔ ان کی ایک ہمشیرہ اشرف بیگم، بہاول پور کے محکمہ انہار کے اوورسیر شیخ صلاح الدین سے بیاہی ہوئی تھیں۔ (۸۶) ظہور نظر ۱۹۴۵ء میں لدھیانہ سے بہاول پور آئے اور اپنے بہن بہنوئی کے ساتھ رہنے لگے۔ بہاول پور میں اپنی آمد اور قیام کے متعلق لکھتے ہیں:

''بہاول پور میں میری ایک بہن بیاہی گئی تھی۔ ماں کے مجبور کرنے پر میں بہاول پور آیا۔ یہاں کے عزیزوں نے مجھے جس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا، اس سے میں بہت متاثر ہوا، اور رشتہ داروں کی طرف سے جو نفرت پیدا ہوگئی تھی وہ دور ہوگئی۔ ان لوگوں کے اصرار پر میں بہاول پور ہی میں رہ گیا۔'' (۸۷)

ظہور نظر نے یہاں بطور الیکٹریشن کام کیا۔ پھر محکمہ انہار میں ڈرافٹسمین کی آسامی پر کام کیا۔ (۸۸) اس زمانے میں بہاول پور سے نکلنے والے ستلج نامی ایک ہفتہ وار اخبار میں بطور مدیر تقریباً ڈیڑھ سال تک کام کیا۔ تقسیم ملک کی وجہ سے ان کے اہل خانہ بھی بہاول پور آ گئے۔ (۸۹) بعض خاندانی حالات کے باعث کراچی منتقل ہوگئے جہاں ترقی پسند تحریک میں شامل ہو کر انجمن ترقی پسند مصنفین کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔ انجمن پر پابندی لگی تو ۱۹۵۲ء میں دوبارہ بہاول پور چلے آئے۔ اپنی والدہ اور بیگم کے ساتھ فرید دروازے کے اندر محلّہ غوث پورہ میں رہنے لگے۔ ۷ ستمبر ۱۹۸۱ء کو بہاول پور میں وفات پائی اور قبرستان بابا شیر شاہ میں دفن ہوئے۔ ان کی اولاد اب بھی بہاول پور میں آباد ہے۔

مختار مسعود: مختار مسعود ۱۹۶۱ء میں بہاول پور کے ڈپٹی کمشنر بن کر آئے۔ بقول ان کے، انھیں ایک ساحلی شہر سے اٹھا کر تقریباً سب سے چھوٹے ریگستانی شہر میں بھیج دیا گیا، لیکن اس ریگ زار چولستان کی وسعت نے ان کے ذہن و دل کو کشادگی بخشی، اور ان کی لکھنے کی خواہش کو تحریک ملی۔ (۹۰) یہاں اپنے ڈیڑھ سالہ قیام کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس ضلع میں کسی سینئر افسر کو صاحب ضلع بنا کر بھیجا جاتا تو وہ اسے کسر شان سمجھتا۔ کام اور شان و شوکت کی کمی سے جلد اکتا جاتا۔ ملنے والے ماند و بود کے حوالے سے نہ لاہوری ہوتے نہ کراچوی، اس لیے تنہائی کی شکایت کرتا۔ قیام کی مدت سال بھر سے زاید ہو جاتی تو اٹھتے بیٹھتے یہ مصرع گنگناتا، ای وای براسیری کز یاد رفتہ ماند۔ میں نے اسی ضلع میں کیلنڈر پر ایک بار بھی نظر ڈالے بغیر ڈیڑھ سال خوش باشی اور خوش اوقاتی سے گزارے۔ خود ترسی اور احساس کمتری کے سوا کسی چیز کی کمی نہ تھی، ان دونوں کو میں نے ضلع بدر کر رکھا تھا۔ سرکاری اور غیر سرکاری مصروفیت، خلق خدا سے ملنے اور اس کی خدمت کے مواقع، فیض کے بے شمار چھوٹے چھوٹے اسباب اور ان کی فراہمی کی سعادت، سادہ دل بندوں کے خلوص کی گرمی، سوجھ بوجھ رکھنے والوں کی روشنی طبع، مقامات جن کی جھلک دنیادار کو دھیانی اور عہدہ دار کو گیانی بنا دے''۔ (۹۱)

مختار مسعود کا بہاول پور میں ورود، ورودِ مسعود ثابت ہوا۔ بہاول پور کے مرکزی کتب خانہ، صادق گڑھ، محل کے ذخیرہ مخطوطات سے استفادہ کیا، یہاں کے ادیبوں، شعرا اور عمائد سے ملاقاتوں، ڈرنگ سٹیڈیم کی اصلاح اور کھیلوں کے مقابلوں کے علاوہ ادبی وثقافتی سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہوا۔ ریاست میں عربی، فارسی اور اردو خطاطی کے نادر نمونے موجود تھے، جن کی تلاش میں انھوں نے اوچ سے بھونگ تک کا سفر کیا، اور ۱۹۶۱ء میں ''نگار خانہ خطاطی'' نام سے فن خطاطی پر اپنی نوعیت کی پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ایک نمائش اور مقابلے کا انعقاد کروایا۔ منصفین میں زیڈ۔ اے بخاری، جمیل الدین عالی، علامہ علاوالدین صدیقی شامل تھے (۹۲)، اور گورنر مغربی پاکستان نواب کالا باغ امیر محمد خان نے انعامات تقسیم کیے۔ بہاول پور آرٹس کونسل کی بنیاد ڈالی، جس کے صدر وہ خود، اور معتمد مسعود حسن شہاب دہلوی تھے، جو بہاول پور کے نامور محقق، ادیب اور صحافی تھے۔ اس کونسل نے ادب کے ساتھ ساتھ ثقافتی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا۔ اس کے زیر اہتمام پاکستان کی کئی معروف ادبی شخصیات کے ساتھ شام منائی گئی۔ مخصوص شعری و ادبی محفلیں منعقد ہوئیں۔ (۹۳) ۱۹۶۲ء میں اردو اکادمی کے سہ ماہی مجلّے الزبیر کے سفر نامہ نمبر کی طرح ڈالی، جو اس نوعیت کا پہلا نمبر تھا۔ (۹۴)

(III)

محمد خالد اختر: محمد خالد اختر کے دادا، معروف شاعر و ادیب مولوی عبدالمالک صادق گجرات سے آ کر ریاست میں آباد ہوئے، اور مشیر مال مقرر ہوئے، جبکہ خالد اختر کے والد مولوی اختر علی ڈپٹی کمشنر بہاول پور تھے۔ (۹۵) محمد خالد اختر ۲۳ جنوری ۱۹۲۰ء کو ریاست بہاول پور کے ایک قصبے اللہ آباد، (تحصیل لیاقت پور) میں پیدا ہوئے۔ بچپن بہاول نگر میں گذرا۔ ابھی چھٹی جماعت میں تھے کہ ۱۹۳۰ء میں ان کے والد کا تبادلہ بہاول پور میں بطور نائب مہتمم آبادی ہو گیا، اور وہ یہاں چلے آئے۔ خالد کو بہاول نگر سے دلی لگاؤ تھا، جسے یاد کر کے آزردہ رہتے:

> ''میں آج تک بہاول نگر میں بچپن کے دنوں میں زندگی بسر کرتا ہوں۔ عجیب سکھ بھرے دن تھے۔ صحنوں میں اکرام اور سکون کے سائے، زندگی بے حد مہربان تھی اور بیریوں سے لے کر درو دیوار تک خنکی کا احساس باقی تھا۔ میں اور میری بہن (۹۶) دیر تک کھیلتے۔ زندگی کے بارے میں رنگ رنگیلے خواب بنتے۔ لیکن میرے اندر نامرادانہ خواہش نے اس وقت سر اٹھایا جب میرے والد صاحب بہاول پور لے کر ہمیں آئے۔ ریاست بہاول پور کا باوا آدم ہی نرالا تھا۔ بچپن کے سنگی ساتھ چھوٹنے کا دکھ میری کوکھ میں جو پلنا شروع ہوا ہے، اب تک اس کی کسک باقی ہے۔'' (۹۷)

بہاول پور آنے کے بعد خالد نے صادق ڈین ہائی سکول میں داخلہ لیا، جہاں شفیق الرحمان کچھ عرصہ ان کے ہم جماعت رہے۔ ۱۹۳۴ء میں اسی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور مزید تعلیم کے لیے صادق

ایجرٹن کالج میں داخلہ لے لیا۔لیکن یہ کالج ان کی نگاہوں میں نہ جچا اور اصرار کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا۔ جلد ہی بوجوہ واپس بہاول پور آ گئے۔دوبارہ صادق ایجرٹن کالج میں داخل ہوئے،اور ۱۹۳۸ء میں گریجویشن کی سند حاصل کی۔اس کالج کے مجلّہ نخلستان میں ان کی بہت سی انگریزی اور اردو تحریریں شایع ہوتی رہیں۔۱۹۴۵ء میں پنجاب کالج انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی،لاہور سے الیکٹرکل انجینئرنگ کی سند حاصل کرنے کے بعد ریاست بہاول پور کی جانب سے اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان روانہ ہو گئے۔۱۹۴۸ء میں تعلیم مکمل کر کے واپس آئے۔۱۹۴۹ء میں کراچی میں ملازمت کا آغاز کیا۔لیکن صحت کی خرابی کے باعث دو سال بعد واپس بہاول پور آ گئے۔ یہاں ۱۹۵۲ء میں بطور ایس ڈی او سرکاری ملازمت مل گئی،اور احمد پور شرقیہ تبادلہ ہو گیا۔ جہاں انھوں نے بجلی گھر تعمیر کروایا۔تین سال تک یہاں خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۵۵ء میں چشتیاں تبادلہ ہوا۔ یہاں بھی ان کی زیرِ نگرانی ایک بجلی گھر بنا۔(۹۸) ۱۹۶۳ء میں ترقی پا کر لاہور چلے گئے۔ ۱۹۸۰ء میں سبکدوش ہوئے،اور بہاول پور آ گئے۔(۹۹) لیکن غالباً ۱۹۸۶ء میں کراچی منتقل ہو گئے۔ کیونکہ شفیق الرحمان،مستنصر حسین تارڑ کے نام ایک خط (محررہ: ۲۶ دسمبر،۱۹۸۶ء،راولپنڈی) میں لکھتے ہیں:

''خالد اختر ان دنوں ایک قسم کی ہجرت میں مصروف ہیں۔یعنی اپنے بچپن کے بہاول پور سے بستر ابوریا یا بسترے بوریے گول کر کے کراچی (مستقل طور پر) جا رہے ہیں۔ یہ پتا نہیں کس کے ساتھ۔ ورنہ مومن کا وہ شعر اپلی کیبل ہوتا:

اللہ رے گمرہی بت و بت خانہ چھوڑ کر مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ'' (۱۰۰)

خالد نے ۲ فروری ۲۰۰۲ء کو کراچی میں وفات پائی،اور وہیں دفن ہوئے۔لیکن بہاول پور سے محبت ان کے خون میں شامل تھی۔ بقول مستنصر حسین تارڑ:''اگر انھوں نے زندگی بھر کسی بھی شہر سے محبت کی تو یہ صرف بہاول پور تھا۔'' (۱۰۱)

بشریٰ رحمان: بشریٰ رحمان کے والد ابوالعرفان حکیم عبدالرشید ریاست کے مشہور طبیب تھے۔ان کی کئی تصانیف یادگار ہیں۔ بشریٰ کی والدہ نصرت رشید بہاول پور کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ ہیں،جن کے دو نعتیہ مجموعے دعائے نیم شبی اور آہ سحر گاہی نام سے شائع ہوئے۔ان کی اولاد میں،بشریٰ کے علاوہ فرحت رشید اور احمد غزالی بھی مقامی ادب میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔(۱۰۲) بشریٰ بہاول پور میں پیدا ہوئیں۔ گورنمنٹ صادق گرلز ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔انٹرمیڈیٹ گورنمنٹ کالج برائے خواتین بہاول پور سے،بی اے ملتان،اور ایم اے صحافت،لاہور سے کیا۔میاں عبدالرحمٰن سے شادی کے بعد لاہور منتقل ہو گئیں۔ ۱۹۸۸ء میں انھیں اہل بہاول پور کی جانب سے ''دخترِ صحرا'' کا خطاب ملا۔(۱۰۳) ۲۰۱۶ء میں ''شانِ بہاول پور'' ایوارڈ سے نوازا گیا۔ بہاول پور سے دور رہنے کے باوجود اس شہر کی یاد ان کے من میں رچی بسی رہی۔

حتی کہ لندن کے چاند کو دیکھ کر بھی انھیں اپنے بہاول پور کا چاند آتا ہے:

''بہاول پور میں ایسا روشن اور صاف ستھرا چاند نظر آیا کرتا تھا۔ دھلا دھلایا۔ مسکراتا ہوا، امی جان کے صحن میں۔ وہ صحرا کا چاند تھا، تھال بن کر نمودار ہوتا تھا، یہ ایک ترقی یافتہ شہر کا چاند تھا۔ کتنی مماثلت تھی دونوں میں۔ نئے چاند کو پرانے چاند سے ملاتے ملاتے میں اداس ہونے لگی۔''(۱۰۴)

چادر، چار دیواری اور چاندنی کے تحت لکھے گئے اپنے ایک کالم، بعنوان: ''بہاول پور کی نقرئی دھوپ لائی ہوں'' میں بہاول پور، اور اس سے وابستہ یادوں کو بیان کرتی ہیں:

''یہ شہر دروازوں کا شہر تھا، سٹیشن سے نکل کر اگر کوئی آبادی کی طرف آتا تھا تو چاروں طرف کھڑے ہوئے عالی شان دروازے اس کا استقبال کرتے تھے۔ ایک طرف ڈیراوری گیٹ تھا، دوسری طرف احمد پوری گیٹ تھا، تیسری طرف ملتانی گیٹ تھا، چوتھی طرف بیکانیری گیٹ تھا۔ کسی سیانے نے اس کا نام فرید گیٹ رکھ دیا تو بہت اچھا لگا۔ خواجہ صاحب بھی تو فرماتے تھے: جھوکاں تھیسن آباد ول۔''

''یہ خوب صورت شہر، یہ میرا شہر ہے۔ مجھے پاکستان میں اس سے اچھا کوئی شہر نظر نہیں آتا۔ اس کی چھاؤں میں ماں کی معطر گود کی مہک ہے، اور اس کی دھوپ میں باپ کی خود کفیل گرمی کی حدت ہے......''

''بہاول پور کا آسمان صاف ستھرا چمک دار اور قدرتی مناظر کی نیلاہٹیں لیے کھڑا ہے۔ کتنا روشن آسمان ہے۔ فضا میں گہرا پن نہیں ہے، بالکل اس شہر کے مکینوں کی طرح۔ یہ سادہ دل اور سادہ لوح لوگ ہر آنے والے کو اپنا مسیحا سمجھ لیتے ہیں۔ دردل کشا کر دیتے ہیں۔ یہ پاکستان سے عشق کرنے والے لوگ ہیں۔ اپنی دھرتی اور اپنی مٹی کی آبرو رکھنے والے لوگ ہیں۔ ان کے بھی کئی روگ ہیں، یہ بھی اپنے دارو کی تلاش میں ہیں۔''

ان کا شعر:

لندن، پیرس، امریکہ، جاپان کے شہر بھی دیکھ لیے
ستلج پر اپنا وہ شہر پرانا اچھا لگتا ہے(۱۰۵)

نوشی گیلانی: نشاط مسعود، جو نوشی گیلانی کے قلمی نام سے معروف ہیں، نے ۱۴ مارچ ۱۹۶۴ء کو بہاول پور میں سید مسعود احمد گیلانی کے ہاں جنم لیا، جب کہ ان کی والدہ صادق گرلز ہائی سکول میں تدریسی فرائض انجام دیتی تھیں۔ نوشی اور ان کی بہن نے بھی ابتدائی تعلیم اسی سکول سے حاصل کی۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور سے اردو میں ایم اے کیا اور پھر اسی یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے بطور استاد وابستہ ہو گئیں۔ بہاول پور قیام کے دوران ایک متحرک ادبی زندگی بسر کی اور مشاعروں اور ادبی مجالس میں باقاعدگی سے شرکت کرتی رہیں۔ ۱۹۸۸ء میں یہاں سے ترک سکونت کر کے امریکہ جا آباد ہوئیں، اور اکتوبر ۲۰۰۸ء میں سعید خان سے شادی کے بعد سڈنی، آسٹریلیا منتقل ہو گئیں۔(۱۰۶)

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) ماجد قریشی (۱۹۶۴ء)، دبستان بہاول پور، ادارہ مطبوعات آفتاب مشرق، بہاول پور، ص:۱۰۵

(۲) منظور حسن، کیپٹن (ستمبر ۱۹۶۲ء)، ''حیات عزیز''، مشمولہ: نور التعلیم، ماہنامہ، گورنمنٹ ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، گکھڑ، ص:۱۶-۲۶

(۳) قمر الزمان عباسی (۲۰۱۱ء)، بغداد سے بہاول پور تک، بیت الکتب، بہاول پور، ص:۳۶۱

(۴) تفصیل کے لیے دیکھیے: عصمت درانی (اگست، ستمبر ۲۰۱۸ء)، ''ندوۃ العلما اور ریاست بہاول پور''، مشمولہ: معارف، ماہنامہ، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ہندوستان۔

(۵) شبلی نعمانی ۱۹۳۸ء، ''زندہ زبیدہ خاتون''، مشمولہ: مقالات شبلی، (جلد ہشتم)، باہتمام مولوی مسعود علی ندوی، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ص:۸۱

(۶) محمد طاہر (۲۰۱۰ء)، ریاست بہاول پور کا نظم مملکت (۱۸۶۶ تا ۱۹۴۷ء)، بزم ثقافت، ملتان، ص:۲۰۴

(۷) شبلی نعمانی (۱۹۳۸ء)، ''زندہ زبیدہ خاتون''، مشمولہ: مقالات شبلی، (جلد ہشتم)، ص:۸۴

(۸) شبلی نعمانی (۱۹۲۸ء)، مکاتیب شبلی، (جلد اول و دوم) مرتبہ سید سلیمان ندوی، باہتمام مولوی مسعود احمد ندوی، مطبع معارف اعظم گڑھ۔ ص:۳۲۵-۳۲۷

(۹) سلیمان ندوی، (۱۹۸۲ء)، ''خطبہ سید سلیمان ندوی''، مشمولہ: الزبیر، شمارہ:۱، بہاول پور نمبر، اردو اکیڈمی، بہاول پور ص:۱۸۲

(۱۰) اس مسودے کی کتابت عبدالمجید پروین رقم (۱۹۰۱-۱۹۴۶ء) نے کی اور ۱۹۳۵ء میں یہ کتاب مرکز اشاعت سیرت جالندھر سے شائع ہوئی۔

(۱۱) قمر الزمان عباسی (۱۹۹۲ء)، بہاول پور کا صادق دوست، سٹنلے پرنٹرز، لاہور، ص:۴۸

(۱۲) سلیمان ندوی، (۱۹۸۲ء)، ''خطبہ سید سلیمان ندوی''، مشمولہ: الزبیر، شمارہ:۱، ص:۱۸۳

(۱۳) یہ خطبہ الندوہ لکھنو (اپریل ۱۹۴۰ء) کے علاوہ الزبیر بہاول پور نمبر ۱۹۸۲ء (ص:۱۸۲ تا ۱۸۷) اور الزبیر بہاول پور نمبر ۱۹۹۴ء (ص:۲۴۵ تا ۲۴۹) میں شائع ہوا۔

(۱۴) سلیمان ندوی (مئی ۱۹۴۰ء)، ''شذرات''، مشمولہ: معارف، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ہندوستان، ص:۳۲۷

(۱۵) منور علی خان (سال ندارد)، ایس ای کالج کے سو سال (۱۸۸۶-۱۹۹۶ء)، صادق ایجرٹن کالج، بہاول پور، ص:۹۷-۹۸

(۱۶) منور علی خان، ایضاً، ص:۱۰۴

(۱۷) سلیمان ندوی، (مئی ۱۹۴۰ء)، ''شذرات''، مشمولہ: معارف، ص:۳۲۷-۳۲۸

(۱۸) نصیرالدین شبلی (۲۰۱۶ء)، شخصیت و افکار۔شیخ الاسلام محدث گھوٹوی ،حضرت شیخ الاسلام اکیڈمی، ملتان،ص:۱۵۰

(۱۹) معین الدین احمد ندوی(۲۰۱۱ء)،حیات سلیمان،ڈاکٹر علامہ سید سلیمان ندوی کے سونح حیات اور علمی و عملی کارنامے ،دارالمصنفین شبلی اکیڈمی،اعظم گڑھ، ہند،ص:۴۶۲

(۲۰) گورنمنٹ گزٹ،۱۷جولائی ۱۹۵۲ء ،مطبع صادق الانوار، بہاول پور،ص:۵

(۲۱) تفصیل کے لیے دیکھیے :سلیمان ندوی(۱۹۸۶ء)،سید سلیمان ندوی کے خطوط،عبدالماجد دریا بادی کے نام (حصہ دوم)،مرتبہ:عبدالماجد دریابادی،نفیس اکیڈمی،کراچی۔

(۲۲) گورنمنٹ گزٹ،۱۲ اپریل ۱۹۵۱ء ،مطبع صادق الانوار، بہاول پور،ص:۱

(۲۳) محمد طاہر(۲۰۱۰ء)،ریاست بہاول پور کا نظم مملکت(۱۸۶۶ تا ۱۹۴۷ء)،ص:۹۶۲

(۲۴) عمران اقبال(۲۰۱۰ء)،بہاول پور میں اردو شاعری (۱۹۴۷-۲۰۱۰ء)، چولستان علمی وادبی فورم، بہاول پور،ص:۵۲

(۲۵) تفصیل کے لیے دیکھیے:

The Bahawalpur Government, The Bahawalpur Review, Bahawalpur information department, Karachi , May 1954

(۲۶) شہاب دہلوی،مسعود حسن(۱۹۸۳ء)،بہاول پور میں اردو،اردو اکیڈمی، بہاول پور،ص:۱۷۴-۱۷۵

(۲۷) قمرالزمان عباسی(۱۹۹۲ء)،بہاول پور کا صادق دوست،سٹنلے پرنٹرز،لاہور،ص:۸۰

(۲۸) اقبال،محمد،(۱۹۷۸ء)،باقیات اقبال،مرتبہ سید عبدالواحد غنی،لاہور،ص:۱۸۵-۱۸۶

(۲۹) Nazeer Ali Shah (1959) , Sadiqnamah (The History of Bahawalpur state) , Maktabah Jadeed, Lahore,p: 75

(۳۰) حنیف شاہد،محمد(۱۹۷۶ء)،اقبال اور انجمن حمایت اسلام،کتب خانہ انجمن حمایت اسلام،لاہور،ص:۱۸۰

(۳۱) قمرالزمان عباسی،(۲۰۱۱ء)،بغداد سے بہاول پور تک،ص:۳۲۹

(۳۲) حنیف شاہد،محمد(۱۹۷۶ء)،اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص:۱۸۰

(۳۳) نذیر علی (ستمبر۱۹۷۷ء)، ''اقبال اور نواب بہاول پور''،مشمولہ:نقوش ،اقبال نمبر۲،ادارہ فروغ اردو،لاہور،ص:۴۱۳

(۳۴) نذیر علی،ایضاً،ص:۴۱۸

(۳۵) تفصیل کے لیے دیکھیے:محمد اکبر ملک،''اقبال کے ریاست بہاول پور کے امیران اور مشاہیر سے تعلقات''،مشمولہ: اقبالیات،سہ ماہی،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،جنوری-مارچ،۲۰۰۱ء

(۳۶) گورنمنٹ گزٹ،۲۶ اپریل ۱۹۴۵ء،مطبع صادق الانوار، بہاول پور،ص:۵

(۳۷) غلام حسین،مولوی(فروری۱۹۳۹ء)،''علامہ اقبال کا ایک لاجواب غیر مطبوعہ مرثیہ''،مشمولہ:اصلاح ،ماہنامہ،عزیز المطابع ، بہاول پور،ص:۷

(۳۸) یوسف حسن، حکیم (۱۹۹۷ء)، ''آل انڈیا مشاعرہ بہاول پور''، مشمولہ: نخلستان، پاکستان گولڈن جوبلی نمبر، صادق ایجرٹن کالج، بہاول پور، ۱۹۹۷ء، ص: ۲۴

(۳۹) حفیظ، حفیظ الرحمان (۲۰۱۲ء)، ''۱۹۴۳ء میں صادق ایجرٹن کالج بہاول پور میں آل انڈیا مشاعرے کی روداد''، مشمولہ: نخلستان، شخصیات نمبر، گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج، بہاول پور، ص: ۴۹

(۴۰) کرنل مقبول حسن قریشی، نواب صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہوئے اور اپنی صلاحیتوں کی بنا پر ریاست کے ہوم منسٹر کے عہدے پر ترقی پائی، شہاب دہلوی، ۱۹۸۷ء، ص: ۳۵

(۴۱) حفیظ، حفیظ الرحمان (۲۰۱۲ء)، ''۱۹۴۳ء میں صادق ایجرٹن کالج بہاول پور میں آل انڈیا مشاعرے کی روداد''، مشمولہ: نخلستان، شخصیات نمبر، ص: ۵۷

(۴۲) گورنمنٹ گزٹ، ۲۰ مئی ۱۹۴۳ء، مطبع صادق الانوار، ص: ۱

(۴۳) شہاب دہلوی، مسعود حسن (۱۹۸۳ء)، بہاول پور میں اردو، اردو اکیڈمی، بہاول پور، ص: ۱۷۳

(۴۴) قاسم جلال (۱۹۹۴ء)، حفیظ جالندھری۔ کچھ یادیں، کچھ باتیں، پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساونڈز، لاہور، ص: ۴۰

(۴۵) عزیز، عزیز الرحمان (۱۹۳۶ء)، حج صادق، (طبع اول)، پالم پور، ص: ۸۹

(۴۶) شعرا کے قصائد وصول کرنے اور انھیں وظائف اور انعام دینے کا کام ریاست کے محکمہ تصریفات یا مودی خانہ (Commissariat Department) کے سپرد تھا۔ اس محکمے کے متعدد ذیلی شعبے تھے، جن میں توشہ خانہ بھی شامل تھا (محمد طاہر، ۲۰۱۰ء، ص: ۱۸۸)۔

(۴۷) حفیظ جالندھری کے مکتوب کے عکس، اور مذکورہ معلومات کے لیے محترم اسلم ملک کی شکر گزار ہوں۔

(۴۸) عزیز، عزیز الرحمان (۱۹۳۶ء)، حج صادق، (طبع اول)، ص: ۱۹۸

(۴۹) عزیز، عزیز الرحمان، ایضاً، ص: ۱۵۰

(۵۰) صادق الاخبار، ۲۴ فروری ۱۹۴۹ء، مطبع صادق الانوار، ص: ۶-۷

(۵۱) فارانی، مختار احمد، (جولائی ۲۰۱۰ء)، ''بہاول پور کی علم دوستی''، مشمولہ: نخلستان، ایس ای کالج نمبر، ص: ۷۵

(۵۲) امداد صابری (۱۹۶۷ء)، تاریخ صحافت اردو (جلد سوم)، راول پنڈی، ص: ۷۶

(۵۳) ماجد قریشی (۱۹۶۴ء)، دبستان بہاول پور، ادارہ مطبوعات آفتاب مشرق، بہاول پور، ص: ۶۸

(۵۴) ماجد قریشی، ایضاً، ص: ۷۲

(۵۵) صادق الاخبار، ۲۹ ستمبر ۱۸۹۲ء، ص: ۶

(۵۶) صادق الاخبار، ۳ مئی ۱۸۹۴ء، ص: ۴

(۵۷) صادق الاخبار، ۲۹ اگست ۱۸۹۵ء، ص: ۶

(۵۸) عزیز،عزیزالرحمان(۱۹۳۹ء)،حیات محمد بہاول خان خامس عباسی،عزیز المطابع، بہاول پور۔ص:۱۲۵

(۵۹) حیات میرٹھی(۱۹۷۱ء)،بہاول پور کا شعری ادب،اردو اکیڈمی، بہاول پور،ص:۲۸

(۶۰) خالد نذیر(۲۰۱۲ء)،''مولانا سید وحیدالدین سلیم پانی پتی''،مشمولہ: نخلستان ،شخصیات نمبر، گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج، بہاول پور،ص:۲۰۵۔

(۶۱) تفصیل کے لیے:عصمت درانی (جون،۲۰۱۸ء)،''العزیز-ریاست بہاول پور کا ایک اہم ادبی ماخذ''،مشمولہ: بنیاد، جلد:۹،لاہور یونیورسٹی آف منیجمنٹ سائنسز،لاہور۔

(۶۲) حیات میرٹھی(۱۹۷۱ء)، بہاول پور کا شعری ادب،اردو اکیڈمی، بہاول پور،ص:۸۹۔۸۷

(۶۳) ماجد قریشی (۱۹۶۴ء)، دبستان بہاول پور،ادارہ مطبوعات آفتاب مشرق، بہاول پور،ص:۱۰۴

(۶۴) عبدالحمید ارشد (۱۹۸۲ء)،''بہاول پور کی ادبی محفلیں''،مشمولہ:الزبیر،سہ ماہی،شمارہ:۱، بہاول پور نمبر،اردو اکیڈمی، بہاول پور،ص:۱۰۱

(۶۵) عزیز،عزیزالرحمان (مارچ ۱۹۴۱ء)،''آنر ایبل سر شیخ عبدالقادر بیرسٹرایٹ لاء بہاول پور میں''،مشمولہ:العزیز، ماہنامہ،عزیز المطابع، بہاول پور، مارچ ۱۹۴۱ء،ص:۸

(۶۶) مذکورہ آل انڈیا مشاعرے کی تفصیل کے لیے: حفیظ،حفیظ الرحمٰن (مئی ۱۹۴۳ء)،روداد مشاعرہ، العزیز،ماہنامہ،ایضاً

(۶۷) حفیظ،حفیظ الرحمٰن (مارچ ۱۹۴۳ء)،''بزم عزیز''،مشمولہ:العزیز ص:۵

(۶۸) مذکورہ معلومات نعمان فاروقی صاحب کے توسط سے میسر آئیں۔ان کی شکر گزار ہوں۔

(۶۹) حیات ترین(۱۹۴۵ء)، پریشان جلوے،عباسیہ اکادمی بغداد الجدید،ریاست بہاول پور،ص:۱۷

(۷۰) عاصم شجاع ثقلین (۲۰۱۲ء)،''ایس ای کالج کا معروف ترین حوالہ-احمد ندیم قاسمی''،مشمولہ: نخلستان،شخصیات نمبر، صادق ایجرٹن کالج، بہاول پور،ص:۱۹۸

(۷۱) پیرزادہ عبدالرشید،علی گڑھ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل تھے اور وہاں کے شعبہ انگریزی میں تدریسی فرائض بھی انجام دیتے رہے۔بعدازیں صادق ایجرٹن کالج سے وابستہ ہوئے۔یہاں ۱۹۳۷ء تا ۱۹۴۱ء وائس پرنسپل،اور ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۹ء پرنسپل رہے(منور علی خان،ص:۵۰)۔

(۷۲) حیات ترین(۱۹۴۵ء)،پریشان جلوے،ص:۱۸

(۷۳)صادق الاخبار،۲۴ فروری،۱۹۴۹ء،ص:۶-۷

(۷۴)نواز کاوش(۲۰۱۰ء)، بہاول پور کا ادب،چولستان علمی و ادبی فورم، بہاول پور،ص:۳۰۷

(۷۵)حیات ترین(۱۹۴۵ء)، پریشان جلوے،ص:۶۰

(۷۶)شہاب دہلوی،مسعود حسن(۱۹۸۷ء)، مشاہیر بہاول پور،اردو اکیڈمی، بہاول پور، ص:۲۴۶

(۷۷)امجد طفیل(۲۰۰۶ء)،پاکستانی ادب کے معمار:منیر نیازی،شخصیت و فن،اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد،ص:۹

(۷۸) سمیرا اعجاز(۲۰۰۴-۲۰۱۰ء)،منیر نیازی، احوال و آثار،مقالہ برائے پی ایچ ڈی،شعبہ اردو،اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی،لاہورص:۸

(۷۹) سمیرا اعجاز،ایضاً،ص:۴

(۸۰) مشتاق احمد،میاں(۱۹۹۵ء)،جمیلہ ہاشمی-شخصیت و فن ، مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو،شعبہ اردو، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور،ص:۲۰

(۸۱) عذرا مسعود(اکتوبر۱۹۷۴ء)،''جمیلہ ہاشمی'' ،مشمولہ:نقوش ،افسانہ نمبر،لاہورص:۲۹۲-۲۹۶

(۸۲) مشتاق احمد،میاں(۱۹۹۵ء)،جمیلہ ہاشمی-شخصیت و فن،مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو،ص:۲۴

(۸۳) مشتاق احمد،میاں،ایضاً،ص:۴۷

(۸۴) مشتاق احمد،میاں،ایضاً، ص:۴۸

(۸۵) مشتاق احمد،میاں،ایضاً،ص:۵۰

(۸۶) شہاب دہلوی،مسعود حسن(۱۹۸۷ء)، مشاہیر بہاول پور،اردو اکیڈمی، بہاول پور،ص:۱۲۷

(۸۷) عبدالخالق تنویر(۱۹۹۸ء)،ظہور نظر-احوال و آثار ،مقالہ برائے ایم فل،شعبہ اردو و اقبالیات،اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور،ص:۹۱

(۸۸) عبدالخالق تنویر،ایضاً،ص:۹۳

(۸۹) عبدالخالق تنویر،ایضاً،ص:۵۱

(۹۰) مختار مسعود(۲۰۱۷ء)،حرف شوق،فائن بکس پرنٹرز،لاہورص:۴۴۹

(۹۱) مختار مسعود،ایضاً،ص:۴۴۸

(۹۲) مختار مسعود،ایضاً،ص:۴۴۴

(۹۳) شہاب دہلوی،مسعود حسن(۱۹۸۳ء)،بہاول پور میں اردو،اردو اکیڈمی، بہاول پور،ص:۱۷۷

(۹۴) شاہد حسن رضوی(۱۹۹۸ء)،''حرف آغاز''،مشمولہ: الزبیر، سہ ماہی،سفرنامہ نمبر،اردو اکادمی، بہاول پور،ص:۱۰

(۹۵) شہاب دہلوی،مسعود حسن(۱۹۸۷ء)،مشاہیر بہاول پور،اردو اکیڈمی، بہاول پور،ص:۵۸

(۹۶) خالد اختر کی چھوٹی بہن سکینہ بھی کہانیاں لکھتی تھیں۔بیاض،افکار،تخلیق اورفنون میں ان کی کہانیاں چھپتی رہی ہیں۔دو کتابیں:''صحرا کی شہزادی''،اور''دوسری کہانیاں''سٹی پریس سے شایع ہو چکی ہیں (مستنصر حسین تارڑ(۲۰۱۲ء)، خطوط،ص:۱۴۷

(۹۷) علی تنہا (مئی۔جون ۱۹۸۵ء)، ''لفظ تولنے والا''، مشمولہ: فنون، لاہور، ص:۵۱۵

(۹۸) عبدالشکور (۲۰۰۸۔۲۰۱۰ء)، محمد خالد اختر۔بحیثیت افسانہ نگار، تحقیقی مقالہ برائے ایم فل، شعبہ اردو واقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور، ص:۱۳-۱۲

(۹۹) شہاب دہلوی، مسعود حسن (۱۹۸۷ء)، مشاہیر بہاول پور، اردو اکیڈمی، بہاول پور، ص:۲۴۷

(۱۰۰) تارڑ، مستنصر حسین (۲۰۱۲ء)، خطوط (شفیق الرحمان، کرنل محمد خان، محمد خالد اختر)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص:۶۵

(۱۰۱) تارڑ، مستنصر حسین، ایضاً، ص:۱۱۶

(۱۰۲) حکیم عبدالرشید، نصرت رشید، فرحت رشید، اور احمد غزالی سے متعلق تفصیل کے لیے: شہاب دہلوی، مسعود حسن (۱۹۸۷ء)، مشاہیر بہاول پور، ص:۷۷

(۱۰۳) عمران اقبال (۲۰۱۰ء)، بہاول پور میں اردو شاعری (۱۹۷۴-۲۰۱۰ء)، چولستان علمی وادبی فورم، بہاول، ص:۲۳۷

(۱۰۴) بشریٰ رحمان (جنوری ۲۰۱۸ء ''دلکھی کوکون موڑے'' (قسط ۱۶)، مشمولہ: الحمرا، ماہنامہ، لاہور، ص:۱۴۲

(۱۰۵) بشریٰ رحمان (۲۸ فروری ۲۰۱۶ء)، ''بہاول پور کی نقرئی دھوپ لائی ہوں''، چادر چار دیواری اور چاندنی، مشمولہ: نوائے وقت، روزنامہ۔

(۱۰۶) عمران اقبال (۲۰۱۰ء)، بہاول پور میں اردو شاعری (۱۹۴۷-۲۰۱۰ء)، ص:۴۴۱-۴۴۰